محمد مظہر الدین صدیقی

عہدِ رسالت میں تقسیمِ دولت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شمالی عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی اور نہ اجتماعی آمدنی کے حصول اور تقسیم کا کوئی منظم طریقہ تھا۔ اسلام میں پہلی مرتبہ آمدنی کی تقسیم کا سوال اس وقت پیدا ہوا جب غزوۂ بدر کے بعد مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ چنانچہ اس موقعہ پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربٰی و الیتامٰی والمساکین وابن السبیل۔

جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تمہیں حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسولؐ کے لیے اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے

اسلام کا یہ پہلا معاشی حکم تھا جس سے اس نے اپنے طریق عدل کا اظہار کیا۔ چنانچہ مال غنیمت کے پانچویں حصہ میں سے معاشرہ کے کمزور اور نادار افراد کو ایک حصہ دیا گیا۔ حالانکہ یہ ذریعہ آمدنی یعنی مال غنیمت درحقیقت اسلامی حکومت کی آمدنی نہ تھی بلکہ مجاہدین کی ذاتی سرفروشی اور قربانی کا نتیجہ تھی۔ پھر دوسرا معاشی سوال اس وقت پیدا ہوا جب مدینہ کے یہودی قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ پر مسلمانوں نے فتح پائی اور ان کی زمینوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان زمینوں کو مہاجرین اور دو غریب انصاریوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ پھر جب خیبر کے یہودیوں پر مسلمانوں نے فتح پائی تو حضور رسالتمآبؐ نے ان مفتوحہ اراضی کو بھی مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا۔ لیکن ان دونوں مقامات یعنی مدینہ اور خیبر میں زمین کی تقسیم جن حالات میں کی گئی تھی ان کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ زمانہ اسلام کا بالکل ابتدائی عہد تھا جب کہ اس کی آمدنی نہایت قلیل اور وسائل بہت محدود تھے۔ مجاہدین کی ایک مستقل فوج اسلام کے لیے ہر وقت سینہ سپر رہتی تھی۔ ان فوجیوں کو کوئی مشاہرہ یا معاوضہ باقاعدہ طور سے حکومت کی طرف سے نہیں ملتا تھا۔ اور نہ مل سکتا تھا۔ اس لیے اس وقت ان کی خدمات کا معاوضہ صرف اسی صورت میں انہیں دیا جا سکتا تھا کہ مفتوحہ زمینیں انہیں کے درمیان تقسیم کر دی جاتیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے موجودہ نظامِ زمینداری یا جاگیرداری کا جواز ثابت کرنا بالکل

غلط ہے۔ کیونکہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حکومت کی اتنی آمدنی ہوتی کہ وہ فوجیوں اور مجاہدین کو باقاعدہ تنخواہیں دے سکتے تو بہت ممکن ہے کہ آپؐ مفتوحہ زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ فرماتے بلکہ جیسا کہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا انہیں تمام مسلمانوں کی املاک قرار دیتے۔ اس کے علاوہ یہ زمینیں جو بطور جاگیر مسلمانوں کو دی گئی تھیں رقبہ میں اس قدر محدود تھیں کہ انہیں موجودہ مفہوم میں جاگیر نہیں کہا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمینداریوں اور جاگیروں کا رقبہ اور ان کی نوعیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ زمینوں سے بہت مختلف تھی اور ان دونوں کے درمیان کوئی مشترک علت نہیں پائی جاتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات کا دائرہ جب وسیع ہوا اور آپؐ کے قبضہ میں ایسی زمینیں آئیں جن پر غیر مسلم کاشت کرتے تھے تو آپؐ نے ان پر خراج یعنی محصول اراضی عائد کیا۔ خراج اسلام کا کوئی جدید محصول نہ تھا بلکہ ایران اور روم کے طریق محصول بندی سے ماخوذ تھا۔ چنانچہ ایران میں اس کو خراگ کہتے تھے اور روم میں (TRIBUTUM SOLI)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کی متمدن سلطنتوں کے سیاسی اور معاشی طریقے اختیار کرنے کو اسلام کے منافی نہیں سمجھتے تھے بشرطیکہ یہ طریقے مزاج اسلام اور دین کے بنیادی اصولوں کے مغائر نہ ہوں۔ خراج کی آمدنی فوجی مہمات کی تیاری پر صرف کی جاتی تھی کیونکہ اس زمانہ میں اسلامی مملکت کا سب سے بڑا خرچ یہی تھا۔ مسلمانوں سے زمین کی پیداوار پر خراج کی جگہ عشر وصول کیا جاتا تھا اور اسے عام محصول کی جگہ زکوٰۃ کی ایک مد قرار دیا گیا تھا۔ لیکن عشر اور زکوٰۃ میں فرق یہ تھا کہ عشر سال بھر کے بعد نہیں بلکہ فصل کے ختم ہوتے ہی وصول کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ عشر کی صورت میں یہ استثنا نہ تھا کہ صرف بالغوں اور صحیح الحواس اشخاص سے عشر لیا جائے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا تھا بلکہ نابالغوں اور مجنونوں کی ملکیت بھی عشر وصول کیا جاتا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جیسا کہ آگے بیان ہوگا خراج اور عشر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تفریق قائم نہیں رہی۔ بلکہ جب مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے منشا اور حکم کے خلاف غیر مسلموں سے بڑی بڑی جاگیریں، اور زمینیں خریدنی شروع کیں تو ان سے عشر کی بجائے خراج ہی وصول کیا گیا۔

غیر مسلموں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے بجائے جزیہ وصول کیا۔ یہ محصول بھی ارکان دین میں سے نہ تھا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں اکثر مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ ایران اور روم کی محصول بندی کے طریقوں میں سے تھا۔ جسے مسلمانوں نے اپنا لیا۔ چنانچہ ایران میں اس محصول کو گزیت اور روم میں اسے ٹریبوٹم کیپٹس (TRIBUTUM CAPITS) کہتے تھے۔ البتہ ان سلطنتوں میں یہ محصول بلا امتیاز مذہب

علّت ہر شخص سے لیا جاتا تھا۔ اسلام نے اسے صرف غیر مسلموں تک محدود رکھا۔ درحقیقت اس محصول کی کوئی مذہبی یا شرعی علت نہ تھی بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اس تفریق کی محرک ایک سیاسی اور قومی مصلحت تھی۔ اور وہ یہ کہ عرب ابتداء سے کسی منظم مرکزی حکومت کے اقتدار کے تابع نہیں رہے تھے۔ اور نہ کسی مرکزی حکومت کو محصول ادا کرنے کے عادی تھے۔ اس لیے وہ محصول کے نام سے حکومت کو کچھ دینا اپنے لیے ننگ و عار سمجھتے تھے اور اسے غلامی کی علامت قرار دیتے تھے۔ چنانچہ اسلام نے اس بارے میں ان کے احساسات کی پاسداری کی اور محصول کے نام سے جزیہ وصول کرنے کے بجائے مسلمانوں سے زکوٰۃ لینی شروع کی۔ اس نظریہ کی تائید ایک اور واقعہ سے ہوتی ہے جسے بلاذری نے بیان کیا ہے۔ یہ مورخ لکھتا ہے کہ بنی تغلب کے عیسائی قبیلہ سے جب جزیہ کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے اس کی ادائیگی اپنے لیے باعث ذلت سمجھی اور مسلمانوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ جزیہ کی بجائے ان سے زکوٰۃ کی دوچند رقم وصول کر لی جائے۔ مسلمانوں نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی۔ اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب مسلمانوں پر جزیہ نہ لگانے کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ادائیگی محصول کے خلاف ایک عام قومی احساس پایا جاتا تھا بلکہ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین جزیہ کو رکنِ دین یا اسلام کا کوئی بنیادی اصول نہیں سمجھتے تھے ورنہ یہ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان جزیہ کو مذہبی اصول کی حیثیت دیتے تو وہ بنو تغلب کی یہ شرط کبھی نہ منظور کرتے کہ ان سے جزیہ کے بجائے زکوٰۃ کی دوچند رقم لے لی جائے۔ جزیہ کی شرح میں بھی مسلمانوں نے اقتضائے حالات کے تحت تبدیلیاں کیں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیہ کی شرح فی کس ایک دینار تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ شرح تبدیل ہو گئی۔ اگر زکوٰۃ کی طرح جزیہ کو بھی رکنِ دین خیال کیا جاتا تو حضرت عمرؓ اس کی شرح کبھی تبدیل نہ کرتے۔ جزیہ اور خراج کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلامی حکومت کو زکوٰۃ اور فیٔ سے بھی آمدنی ہوتی تھی۔ فیٔ ان زمینات کو کہتے تھے جو براہِ راست حکومت کی ملکیت ہوتی تھیں۔